راجستھان میں عزاداری اور تعزیہ داری کی روایت

رنبیر سنگھ☆

۱۱۹۲ء عیسوی میں ہی جب محمد غوری نے ترائن کی دوسری جنگ میں پرتھوی راج چوہان پر فتح حاصل کر کے سرسی میں اس کا سر قلم کیا تو اجمیر جو چوہانوں کا دارالسلطنت تھا، اس پر محمد غوری کی فوجوں کا قبضہ ہوگیا تھا۔ اسی زمانے میں میران کھانگ کی قیات میں کچھ فوجی تاراگڑھ کے قلعے میں مقیم ہوئے۔ ۱۱۹۵ء میں عزاداری کی روایت قائم کرنے کا سہرا ان ہی کے سر ہے۔ تب سے یہ آج تک باقی ہے اور پورے راجستھان میں ایک روایت کی حیثیت حاصل کر گئی ہے۔ محرم کی رسوم کی ۲۹ رذی الحجہ سے ابتداء ہوجاتی ہے اور تعزیوں کے جلوسوں کا سلسلہ بھی اسی دن سے شروع ہوجاتا ہے۔ اگر اس تاریخ کو محرم کا چاند نظر نہیں آتا تو محرم کی پہلی مجلس اگلے دن رات کو ہوتی ہے۔ دبیر، انیس، مونس اور راجستھانی شعراء کے مرثیے ان میں پیش کیے جاتے ہیں۔ پورے راجستھان میں اس تاریخ سے عزاداری اور تعزیہ داری کا سلسلہ شروع ہوجاتا ہے۔ راجستھان کی دوسری ریاستیں، جیسے اودے پور، جودھپور اور جے پور وغیرہ جو بعد میں اہمیت اختیار کر گئیں اس دور میں اپنے قیام کے لیے کوشاں تھیں۔ ہندو اور مسلمان ثقافتوں کا امتزاج تو حقیقت میں مغل دور کے آغاز سے وجود میں آیا جس کا سہرا شہنشاہ اکبر کے سر ہے۔ آمبیر کے راجا بھارمل کی لڑکی ہرکابائی کی اکبر سے شادی فی الحقیقت اُس گنگا جمنی کلچر کا سنگِ بنیاد تھی جسے آج مخلوط کلچر کا نام دیا جاتا ہے، جس کے نتیجے میں پورا ہندوستانی سماج ایک مضبوط رشتے میں بندھا اور ایک وحدت قایم ہوئی۔

آمبیر وہ پہلی راجپوت ریاست تھی جس نے مغل شہنشاہوں سے گہرے اور قریبی رشتے قائم کیے۔ یہاں کے حکمراں مغل بادشاہوں کے معتمد، رازدار اور دربار کے بڑے منصب دار ہوگئے اور انہوں نے ان کے طور طریقہ اور زبان اپنا لی۔ سوائی جے سنگھ جو اپنے وقت کا ہوشیار ترین حکمراں تھا، جب اس نے ۱۷۲۸ء میں جے پور کے نئے شہر کی بنیاد ڈالی تو کچھ سیّد خاندان جو آمبیر میں

☆ جے پور

سکونت پذیر تھے وہ جے پور منتقل ہوگئے۔ یہاں انہیں رہائش، مسجدوں اور خانقاہوں کی تعمیر کے لیے زمینیں دی گئیں۔ کچھ افراد کو ریاست کے لیے گرانقدر خدمات انجام دینے کے صلے میں جاگیریں بھی عطا ہوئیں۔ انہی خاندانوں نے جے پور میں عزاداری اور تعزیہ داری کی روایت قایم کی۔ شروع میں یہ صرف چند خاندانوں تک محدود تھی جہاں مردانی اور زنانی مجالس منعقد ہوتیں اور تعزیے نکالے جاتے۔ شاہی خاندان والوں نے اس میں سوائی رام سنگھ کے زمانے سے حصہ لینا شروع کیا جو یہاں ۱۸۳۰ء سے ۱۸۸۰ء تک حکمراں تھا۔ اس کے دورِ حکومت میں ہر مہینے چاند نکلنے کا اعلان ناہر گڑھ سے توپ داغ کر کیا جاتا تھا جو کچھ اونچائی پر واقع تھا اور گولے کی آواز شہر کے ہر کونے میں سنی جاسکتی تھی لیکن محرم کی چاند رات کو توپ نہیں داغی جاتی تھی بلکہ اس کی جگہ ڈھول، تاشے بجائے جاتے تھے اور سپاہیوں کے ساتھ ناہر گڑھ سے ایک جلوس کی شکل میں علَم نکالے جاتے تھے جو شہر کے تمام محلوں میں گشت کرتے تھے اور اس سے محرم شروع ہونے کا اعلان ہوتا تھا۔ رام سنگھ موسیقی کا شائق تھا اور یہ دستور تھا کہ ہر روز شام کو موسیقار دربار میں حاضر ہوکر کلاسیکی موسیقی اور غزلیں پیش کرتے تھے۔ مگر محرم کے پہلے دن سے ہی شاہی محل اور جاگیرداروں کے گھروں تک موسیقی کی یہ محفلیں منعقد ہونا بند ہوجاتیں۔

آخری دن ہر محلے میں تیار کردہ تعزیے ہوا محل کے چوپار میں جمع ہوتے تھے۔ رام سنگھ ایک تعزیہ چڑھاتا تھا جو آتش خانے کے صدر دروازے پر رکھا جاتا تھا اور یہیں سے یہ جلوس میں شامل ہوتا تھا۔ اس جلوس میں ہر فرقے کے لوگ شرکت کرتے اور ہندو اور مسلمان عورتیں سڑک کے دونوں طرف کھڑی رہتیں اور جب تعزیے اُن کے سامنے سے گزرتے تو وہ اپنے بچوں کو لے کے دوڑتیں اور انہیں ان کے نیچے سے گزارتیں تاکہ وہ آنے والی زندگی میں مصیبتوں اور خطروں سے محفوظ ہوجائیں۔ ایک بار رام سنگھ خود بیمار ہوا اور کسی علاج سے اُسے فائدہ نہیں ہوا۔ اسے مشورہ دیا گیا کہ وہ تعزیے کی ڈوری پہنے اور یہ معجزہ ہی تھا کہ وہ اسی دن ٹھیک ہوگیا۔ اسی پر اس نے سونے چاندی کا بنا یہ تعزیہ چڑھایا تھا۔

۱۹۴۲ء میں پہلی بار 'حسین ڈے' منایا گیا تھا جس میں مشہور دانشوروں، شاعروں اور ادیبوں نے حصہ لیا تھا۔ منشی چندر بھاری لال صبا، جو 'طوطی راجستھان' کے لقب سے یاد کیے جاتے تھے، انہوں نے ایک سلام پڑھا تھا جو بہت مقبول ہوا تھا۔ یہ پروگرام تین دن چلا تھا۔ دوسرا 'حسین ڈے' سوائی

مان سنگھ ٹاؤن ہال میں ہوا تھا اور تیسرا ۱۹۸۵ء میں امام باڑہ بدان پورہ میں منعقد ہوا تھا۔

جے پور میں پانچ مسجدیں، دو قومی امام باڑے اور سادات خاندانوں کا ایک قبرستان ہے۔

گوکہ بہت سے خاندان پاکستان ہجرت کر گئے مگر عزاداری اور تعزیہ کی روایت کو باقی رکھا گیا ہے اور تمام مذاہب اور ذاتوں کے لوگ پوری عزت و احترام کے ساتھ تعزیوں کے جلوس میں شریک ہوتے ہیں۔

جودھپور ایک اور ریاست تھی جس کے شادی کے توسط سے ہی مغل بادشاہوں سے گہرے تعلقات قایم ہوئے ۔ جودھپور کے راجا اودے سنگھ کی بیٹی جودھابائی کی شادی جہانگیر سے ہوئی تھی۔گوکہ مسلم کلچر کا اثر جودھپور کے دربار اور عام لوگوں کی زندگی میں سرایت کر چکا تھا مگر عزاداری مہاراج جسونت سنگھ دوم کے زمانے سے شروع ہوئی جس کا دورِ حکومت ۱۸۷۳ء سے ۱۸۹۰ تک تھا۔ جودھپور میں ایک رواج یہ تھا کہ بمبا محلے کے لوگ، جہاں سے عزاداری کی ابتدا ہوئی، وہ ڈھول تاشہ بجاتے ہوئے پورے شہر کی گشت کرتے تھے اور چندہ اکٹھا کرتے تھے۔ سوسائٹی کا ہر طبقہ انہیں خوشی سے چندہ دیتا تھا۔ انہیں ۳۰ روپے مہران گڑھ سے ملتے تھے جو اس زمانے میں شاہی خاندان کا مسکن تھا۔ مہاراج تخت سنگھ کی ایک لڑکی کی شادی جے پور کے سوائی مان سنگھ سے ہوئی تھی ۔ اس نے بڑے اعتقاد سے منت مانی کہ اگر اس کے یہاں لڑکا پیدا ہوا تو وہ محلّہ لاقان کے تعزیے کو بہت خوبصورت بنوادے گی ۔ اس کے ایک لڑکا ہوا جو جے پور کا موجودہ حکمراں تھا۔ رانی نے حکم دیا کہ ۱۸ فٹ اونچا لکڑی کا تعزیہ بنوایا جائے جسے سونے چاندی سے منڈھا جائے ۔ یہ خوبصورت تعزیہ آج بھی رانی صاحبہ کے محرم، کے نام سے جانا جاتا ہے اور جلوس میں ممتاز جگہ رکھتا ہے۔

ہندو مسلم ایکتا کا ایک خوبصورت منظر اس وقت مشاہدے میں آتا تھا جب چوب داروں کے محلے کا ایک تعزیہ، اور دوسرا محلّہ نائک والا تعزیہ جسے برہمن بناتے تھے، دونوں مقررہ وقت پر ڈھول تاشوں کے ساتھ مختلف سمتوں سے لاکر ایک جگہ قریب قریب رکھ دیئے جاتے۔ ہندو مسلمان اس موقعے پر بڑی محبت اور لگاؤ کے ساتھ ایک دوسرے سے ملتے تھے۔

ایک اور رواج یہ بھی تھا کہ جب تعزیے شو مندر کے پاس پہنچتے، جو ایک مینار مسجد کے قریب ہے، تو تعزیوں کو تھوڑا نیچے کردیا جاتا تھا اور ایک بار پھر تمام فرقوں کے لوگ ایک دوسرے سے ملتے اور جلوس جب دوبارہ چلنا شروع ہوتا تو عورتیں اپنے بچوں کو تعزیے کے نیچے سے گزارتیں۔

جودھ پور کا مہاراجا اپنے بھائیوں اور دوسرے درباریوں کے ساتھ تیجا ماجی کے مندر (جس کے معنی ہیں تیسری ڈوگرانی کا بنوایا ہوا مندر) کے چھجے پر بیٹھ کر جلوس کو دیکھتا تھا۔ مہارانیاں سردار بازار کے صدر دروازے پر بیٹھا کرتی تھیں۔ مہاراجہ کی طرف سے سب لوگوں میں کھیر اور مٹھائی تقسیم ہوتی تھی۔

کچھ شر پسندوں کے پیدا کردہ حالات کی وجہ سے ۱۹۶۸ء سے یہ تعزیے جلوس کی شکل میں نہیں نکالے جاتے صرف اپنے اپنے محلّوں میں رکھ دیئے جاتے ہیں، جہاں تمام فرقوں کے لوگ، خصوصاً عورتیں وہاں جاکر سلام کرتی ہیں اور ایک دوسرے سے پیار محبت سے ملتی ہیں۔ سب لوگوں کو مٹھائی اور شربت تقسیم کیا جاتا ہے۔

شیخاوائی راجستھان کا ایک اور ایسا علاقہ ہے جہاں گنگا جمنی کلچر کی روایات کو برقرار رکھتے ہوئے ہندو اور مسلمان اب بھی امن و چین سے ساتھ ساتھ رہتے ہیں۔ آمبیر اور جے پور کے حکمراں خاندان کے ایک بیٹے موکال کے یہاں اولادِ نرینہ پیدا نہیں ہوتی تھی۔ ایک دن وہ صوفی شیخ برہان سے ملا اور ان سے دعا کرنے کو کہا۔ ان کی دعا سے اس کے یہاں لڑکا پیدا ہوا جس کا نام ان صوفی صاحب کی نسبت سے شیخا رکھا گیا۔ وہ شیخاوت خاندان کی حکومت کا بانی ہوا اور اس کے جانشینوں نے جو علاقہ فتح کیا اسے شیخاوت کہا جاتا ہے۔ ایک دن شیخا کو پٹھانوں کی ایک ٹولی ملی جو اپنے خاندانوں کے ساتھ معاش اور رہائش کے لیے جگہ کی تلاش میں اس کے علاقے سے گزر رہے تھے۔ کسی حکمتِ عملی کے تحت اس نے اُن سے دوستی کرلی اور انہیں وہاں قیام کے لیے زمین دے دی۔ پٹھانوں اور شیخا کے درمیان ایک معاہدہ ہوا جس کے تحت یہ طے ہوا کہ پٹھان گائے کا گوشت نہیں کھائیں گے اور مور کو نہیں ماریں گے اور شیخاوت سور کا گوشت نہیں کھائیں گے اور صرف حلال گوشت کھائیں گے۔ بعض لوگ آج بھی اس پر عمل کرتے ہیں۔ شیخا لوگوں کے جھنڈے پر اب بھی ہندو مسلم ایکتا کا اظہار ہوتا ہے۔ ان کا جھنڈا پیلے رنگ کا ہوتا ہے جس کے کنارے سرخ ہوتے ہیں اور بیچ میں ہنومان کی شکل ہوتی ہے۔ لیکن اس میں ایک لمبی پٹی نیلے رنگ کی بھی ہوتی ہے جس سے دونوں فرقوں کی ایکتا کا اظہار ہوتا ہے۔

شیخاوت کے سرداروں نے شہنشاہ اکبر کی ملازمت اختیار کی اور یہیں سے انہوں نے فارسی سیکھی جو دربار کی زبان تھی، انہوں نے مغل دربار کے آداب اور طور طریقے بھی اپنائے۔ شیخاوت کے تمام سرداروں کی جاگیروں میں ایک مسجد، ایک کربلا اور قبرستان کے لیے زمین متعین کی جاتی ہے۔ دونوں

فرقے اپنے تہوار جیسے ہولی، دیوالی، گنگور، عید اور محرم مل کر مناتے ہیں۔ محرم کے مہینے میں گانا اور رقص سختی سے ممنوع ہے۔ محرم کے آخری دن تعزیوں کا جلوس قلعے کے سامنے لایا جاتا تھا اور میدان میں ٹھہرتا تھا۔ گاؤں کے سب لوگ ڈھول تاشے سننے، اور تلوار بازی کا مظاہرہ دیکھنے جمع ہوتے تھے۔ روایت تھی کہ ہر خاندان کا ایک فرد اس موقع پر ضرور شریک ہوتا تھا۔ میں نے سات یا آٹھ سال کی عمر میں اپنے والد کی طرف سے اس میں نمائندگی کا شرف حاصل کیا ہے۔ جب ڈھول اور تاشے کا مظاہرہ ختم ہوجاتا تھا تو تعزیہ اٹھایا جاتا تھا اور جلوس شروع ہوتا تھا۔ اسی وقت عورتیں اپنے بچے لے کر دوڑتی تھیں اور انہیں تعزیے کے نیچے سے گزارتی تھیں۔ تمام فرقوں کا یہ ملا جلا جلوس کربلا پہنچتا تھا جہاں تعزیے دفن کیے جاتے تھے۔ کچھ برس پہلے ایک بنیاد پرست پارٹی کے کچھ لوگوں نے جلوس کے راستے میں رامائن رکھ دی۔ کچھ سمجھدار مسلمان اور ہندو رہنماؤں کی مداخلت سے تعزیے کے راستے کو بدل کر بدتر نتائج نہ پیدا ہونے دیئے گئے۔ تعزیے سیدھے کربلا پہنچادیئے گئے لیکن ہندوؤں نے راستے میں مٹھائی اور شربت تقسیم کیا اور عورتوں نے پہلے کی طرح اپنے بچوں کو تعزیوں کے نیچے سے گزارا اور یہ عمل آج بھی اسی طرح باقی ہے۔

راجستھان کی لگ بھگ تمام ریاستیں، بیکانیر، کوٹا، الور، بھرت پور، محرم کی روایت برقرار رکھے ہوئے تھیں اور کچھ ریاستیں تو خود بھی اپنا ایک تعزیہ جلوس میں شامل کرتی تھیں۔

آج ہم ایک خطرناک دور میں زندگی گزار رہے ہیں جس میں ہمارے کلچر پر داخلی اور خارجی دونوں قسم کے حملے ہورہے ہیں۔ اس مادی قسم کے معاشرے میں ہر چیز کو ایک ایسی پیداوار کا روپ دیا جارہا ہے کہ اُسے آسانی سے بازار میں بیچا جاسکے۔ بدقسمتی سے ہمارے مذہبی تیوہاروں اور رسوم کے تقدس اور اقدار کی اہمیت کو سوچے سمجھے بغیر سیاحت (ٹورزم) کی دوڑ اس طرح توڑ مروڑ کر پیش کررہی ہے کہ وہ سیاحت کے بیوپاری بازار میں آسانی سے بک سکے۔ اس وقت سب سے اہم کام یہ ہے کہ ہمارے سماج کا ہر حصہ اس رجحان کے خلاف اٹھ کھڑا ہوجائے اور ہمارے تہذیبی ورثے کو تباہ ہونے سے بچالے۔